ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.2 2022

نورومانویت اور جدید افسانہ

- صولت رحمان
- ڈاکٹر محمد طاہر (ڈاکٹر طاہر شہیر)
- ڈاکٹر محمد سلمان بھٹی

ABSTRACT

The Article examines the representative features of Neo-romantic tendencies in Urdu short stories after 1947. It also seeks to highlight some of the differences and similarities found in early romantic period and the neo-romantic short story in Urdu. It observes that the early period was the out-come or the reaction of the monotony of Aligarh movement and the imperialist sanctions imposed on Sub-continent in first 3 decades of the 20th century whereas after the partition neo-romantic attributes began to flourish in the writers following the unexpected behaviors and approaches of the ruling class and the powerful segments of society. Although revived romantic or in other words neo-romantic feel may be observed among almost all the writers after 1947 but the article highlights some of the main aspects of neo-romantic stream that are generally visible in the relevant short story writers of the period under discussion.

نہیں معلوم کہ رومانویت نے اردو افسانویت کے بطن سے جنم لیا یا اردو افسانے نے رومانویت کی فسوں سازی سے۔ تاہم ناقدین و محققین اس امر پر متفق ہیں کہ اردو زبان ادب میں رومانویت علی گڑھ تحریک کے مقصدی رجحان کی انتہا پسندی کا منطقی نتیجہ تھی اور اردو افسانے کا آغاز بیسویں صدی کے بدلتے ہوئے رجحانات کا شاخسانہ تھا۔ ایک طرف قلمکار علی گڑھ تحریک کے مصلحانہ رجحانات سے اکتانے لگے تھے تو دوسری طرف مغربی ادبیات کے مطالعے نے ان پر یہ حقیقت آشکار کر دی تھی کہ جس طرح غزل کی تاثیر اس کے اختصار میں ہے اسی طرح کہانی کی کاٹ، داستان آرائی میں نہیں، اختصار پسندی میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بیسویں صدی کے بالخصوص پہلے تین عشروں میں اردو افسانوی ادب میں افسانہ دیگر نثری اصناف پر حاوی رہا۔ یلدرم کے دبستان کے بزم آراہوں یا پریم چند کے حواری، ہر دو طرح کے لکھاریوں نے زمینی حقائق سے نظریں چرا کر ایسے ایسے خیالستان آباد کیے کہ یلدرم کی نسرین نوش ہو یا پریم چند کے مادھو اور گھیسو، اپنے اپنے انداز میں دونوں حقیقت کی تلخیوں سے دور اپنے من میں مست نظر آتے ہیں۔ فرق صرف اتنا سا ہے کہ یلدرم کا انداز تخاطب رومانوی ہے اور پریم چند کا اصلاحی ۔

اردو افسانہ آغاز ہی سے رومانوی رجحانات، رویوں اور مزاج کا آئینہ دار ہو گیا۔ شائد اس کا سبب یہ تھا کہ طبع حساس رکھنے والے ادیب جو۔" تھا" اس سے خوش نہیں تھے اور جو' نہیں تھا' اس کے متلاشی تھے۔ اس نکتۂ نظر کے تناظر میں بیسویں صدی کے پہلے تین عشروں میں معرضِ اشاعت میں آنے والے پریم چند کے بہت سے افسانوں میں بھی رومانوی ہونے کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ پھر انقلابِ روس اور ہندوستانی سیاسی تغیرات نے خیالستانوں میں کھوئے ادبا کو جھنجھوڑا تو انقلاب اور بغاوت کے احساسات سے مرعوب ہو کر لکھنے والوں نے ترقی پسند رویہ اپنا لیا۔ یوں اردو افسانے کو بھی نئے موضوعات اور نیا بیانیہ ملا۔ پھر ۱۹۴۷ء کی تقسیم نے انقلاب پسندوں پر ایک نئی حقیقت منکشف کی اور انہیں معلوم ہوا کہ "ہمیں تلاش تھی جس کی یہ وہ سحر تو نہیں"۔ اپنی منزل کو پا لینے والے فتح و کامرانی کے نشے میں مست ہو گئے اور منزل کے حصول کے تعاقب میں بھٹک جانے والے مایوسی اور قنوطیت کا شکار ہو گئے۔ یوں سرمستی اور قنوطیت کے اختلاط نے ایک بار پھر رومانویت کو جنم دیا جسے اہلِ نقد نَو رومانویت سے تعبیر کرتے ہیں۔

بیسویں صدی کے نصف اول کی رومانویت کے ادبی پس منظر میں علی گڑھ تحریک تھی اور نصف دوم کی رومانویت کا تخلیقی تناظر انتہا پسندانہ ترقی پسند رویہ تھا۔ نصف اول کی رومانویت کا سیاسی پس منظر استعمار کی غلامی تھا تو نصف دوم میں اپنوں کی محکومی نے وقت کے ماتوں کو فطری طور پر نحیف و نزار کر دیا تھا۔ گویا ادبی اعتبار سے ہر دو ادوار کی رومانویت کے پس منظر میں اصلاح اور مقصدیت جیسے عناصر کار فرما تھے اور سیاسی طور پر محتاجی نے اہل ادب کو زمینی حقائق سے مایوس کر دیا تھا۔ غور کیا جائے تو دونوں ادوار کی رومانویت میں احساس ناتمامی کا شعور وجہ مشترک ہے۔ فرق صرف اتنا سا ہے کہ نصف اول کی رومانویت سے اہلِ ادب کا واسطہ اس وقت پڑا جب وہ ترکی اور انگریزی ادبیات کے ابتدائی مطالعے سے ہمکنار ہوئے اور نصف دوم کے ادیبوں نے رومانویت کو شعارتب کیا جب اہلِ قلم مغربی ادبیات کے بلا واسطہ مطالعہ پر قادر ہونے کے ساتھ ساتھ تخلیقیت کے مختلف اسالیب سے آشنا بھی ہو چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نصف اول کی رومانویت پر فطرتیت کا غلبہ ہے اور نصف دوم کی رومانویت میں خواب بُننے کا رجحان زیادہ پایا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.2 2022

جاتا ہے۔ ظاہر ادونوں ادوار کے رومانوی موضوعات اور اظہاریے ایک دوسرے سے بہت مختلف نظر آتے ہیں۔ اس کا سبب احساسِ رومانویت کا وہ فسوں ساز مبہم تصور ہے جسے نکتہ سنج اب تک حتمی طور پر پابہ الفاظ ہی نہیں کر پائے۔ ڈاکٹر سید عبد اللہ کہتے ہیں:

> "رومانیت میں تخیل کی آزادی ایک اہم عنصر ہے۔ رومانیت مروجہ اخلاقیات سے گریزاں ہے لیکن اس کی اپنی بھی ایک اخلاقیات ہے۔ رومانی ادیب جذبے اور وجدان کو ہر دوسری چیز پر ترجیح دیتا ہے۔ اسلوب اور خیالات دونوں میں اس کی روش تقلید کے مقابلے میں آزادی اور روایت کی پیروی سے زیادہ بغاوت اور جدت کا میلان رکھتی ہے۔ رومانی ادیب حال سے زیادہ ماضی یا مستقبل سے دلچسپی رکھتا ہے۔ حقائق واقعی سے زیادہ خوش آئند تخیلات اور خوابوں کی عجائبات و طلسمات سے بھری فضاؤں کی مصوری کرتا ہے۔"(1)

تخیل اور ماورائیت ڈاکٹر صاحب کے نزدیک رومانویت کے دو بنیادی عناصر ہیں۔ انہی عناصر کو ڈاکٹر انور سدید نفسیاتی تناظر میں دیکھتے ہوئے کہتے ہیں:

> "رومانویت کا تعلق چونکہ شعور کی بجائے لاشعور سے ہے اس لئے یہ بے حد پیچیدہ اور نفسیاتی کیفیت ہے" (2)

ڈاکٹر محمد حسن رومانویت کے فکری اور ادبی ارتقا کے سفر میں وارٹن اور ہرڈز کو نکتہ آغاز تصور کرتے ہیں:

> "ادبیات کے سلسلے میں سب سے پہلے ۱۷۸۱ء میں وارٹن اور ہرڈز نے یہ لفظ استعمال کیا۔ اس کے بعد گوئٹے اور شلز نے ۱۸۰۲ء میں ادبیات کے سلسلے میں اس کا اطلاق کرنا شروع کیا لیکن شلیگل اور مادام ڈی سٹیل (De Steal) نے اسے ایک اصطلاح کی شکل میں رائج کیا۔ اس طرح یہ لفظ 'رومانس' جو پہلے زبان کا نام تھا اس کے بعد اس زبان کے مخصوص ادبیات اور داستانوں کا لقب بنا۔ پھر ادب میں ماورائیت، آرائشگی، عہد وسطیٰ کی قدروں کی نمائندگی کرنے لگا اور آہستہ آہستہ ادب کے ایک مخصوص مزاج کا مظہر بن گیا۔" (3)

اردو زبان و ادب میں رومانوی تاریخ کے سوتے بیسویں صدی کے ساتھ پھوٹتے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے سانحے کے بعد سر سید احمد خان نے مصلحت اندیشی اور اصلاح پسندی کو مسلمانان ہند کیلئے راہ نجات تصور کیا۔ یقیناان کا مطمح نظر افادی بھی تھا اور مثبت بھی ۔ البتہ ان کے رفقاء نے ان کی رہنمائی میں ایسا مصلحانہ رویہ اور اسلوب اختیار کیا کہ کلاسیکی شعرا کے بسائے ہوئے نیرنگ گلستان اور داستانوں کی مسحور کن فضا کٹھور حقیقت پسندی کے صحراؤں میں بدلنے لگی۔ شاعری اور ادب طبعِ حساس کی تسکین اور تخلیقیت سے عاری ہو کر سماجی منشور کی صورت اختیار کرنے لگا۔ ایسے ادب کی افادیت سے انکار ممکن نہیں لیکن اس کا ذائقہ محسوس تو کیا جا سکتا تھا مگر اس سے لطف اندوز ہونا ممکن نہ تھا۔ اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد حسن لکھتے ہیں:

> "رومانوی تحریک اس بے نمکی کے خلاف احتجاج کی شکل میں سامنے آئی ۔ اردو ادب میں رومانوی تحریک کو کئی غیر متوقع وسائل سے مدد ملی۔ اس سلسلے میں ٹیگور کی ماورائیت، اقبال کی روایت شکنی اور ابوالکلام کی انفرادیت خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔" (4)

غور کیا جائے تو گزشتہ تین ساڑھے تین سو سال کے عرصے میں مسلمات کے خلاف احساس بغاوت نے مختلف خطوں میں مختلف محرکات کی بنیاد پر جنم لیا۔ یہ احساسِ بغاوت تصادم کی طرف گیا تو اس کے پیروکار فسطائی اور مارکسی کہلائے اور اسی اختلافی احساس نے حقائق سے روگردانی کرتے ہوئے خیالی دنیاؤں میں پناہ تلاش کی تو وہ رومانوی کہلائے۔ مختلف ادوار اور مختلف خطوں میں نہ رومانویت کے محرکات یکساں ہیں اور نہ رنگ روپ۔ ایک قدر مشترک ہے تو وہ بس یہی ہے کہ مروجات سے عدم اطمینان مضطرب اذہان کو مسرت کی تلاش پر اکساتا ہے اور وہ "کیسا ہے؟" کے مقابلے میں "کیسا ہونا چاہئے؟" کی مصوری شروع کر دیتے ہیں۔ یوں کبھی اہلِ رفتگاں کی بات ہوتی ہے اور کبھی مستقبل کے خواب سجائے جاتے ہیں۔ گویا ماضی اور مستقبل میں گھومتے ہوئے "حال" فراموش ہو جاتا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.2 2022

تقسیم ہند کے بعد بہت سی معصوم آنکھوں کے خواب چکناچور ہوئے اور بہت سے شاطر اذہان نے بازی ماری۔ معصوموں کو یہ خبر نہ ہوئی کہ ریزہ ریزہ خوابوں کو کیسے سمیٹا جائے اور وقت کے شاطروں کے سامنے مستقبل کا کوئی واضح لائحہ عمل نہ رہا۔ یعنی ہر دو طرح کے طبقات بے منزلی کی کیفیت کا شکار ہو گئے۔ ایسے میں رومانویت ہی وہ پناہ تھی جس میں جز وقتی ہی سہی سکون بھی تلاش کیا جاسکتا تھا اور کسی مجوزہ حل کی راہ بھی نکل سکتی تھی۔ چنانچہ اہلِ ادب نے مروجات سے ایک بار پھر بغاوت کی یا بہ الفاظِ دیگر فرار اختیار کیا اور رومانویت کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ تقسیم کے بعد انفرادی اور اجتماعی آشوب کا رنگ کم و بیش ہر افسانہ نگار کے ہاں نظر آتا ہے۔ سماجی شکست و ریخت اور جذبات و احساسات کے ٹکڑے افسانوں کے پیکر میں ڈھلنے لگے۔ تقسیم اور اس کے بعد پیدا ہونے والے مسائل ابتدائی برسوں کے افسانوں کا اہم موضوع بنے۔ ڈاکٹر عائشہ سلطانہ کے مطابق:

> "دوسری اصناف ادب کی طرح اردو کے افسانوی ادب پر بھی آزادی کے فوراً بعد کے حالات کا گہرا اثر نظر آتا ہے۔ کیونکہ آزادی کے بعد فوری طور پر افسانہ جن حالات سے متاثر ہوا وہ فسادات، ہجرت، مہاجرین کی آبادکاری، جمہوری نظام کا قیام، نئی منصوبہ بندیاں اور ان پر عمل، معاشی و سیاسی مسائل وغیرہ ہیں۔ اور یہی وہ مسائل ہیں جنہیں اردو کے افسانوں کا موضوع بنایا گیا۔" (5)

تقسیم ہند کے بعد کے افسانوں کا ایک اہم موضوع فسادات تھا۔ ترقی پسند افسانہ نگاروں نے ہجرت کے دوران پیش آنے والی خون آشام بربادی کو خاص طور پر موضوعِ قلم بنایا اور انسانیت کی اس تذلیل پر تنقید کرتے ہوئے انسانیت اور انسان دوستی کا علم بلند کیا۔ ناقدین کے ایک حلقے نے اس رویے کو مصنوعی قرار دیتے ہوئے اس اندازِ تحریر پر تنقید کی۔ مثلاً ممتاز شیریں نے لکھا:

> "اس فارمولے کے مختلف عناصر کو سامنے رکھ کر پلاٹ بنائے گئے اور ایک بنے ہوئے ڈھانچے میں جوڑنے کے لیے افسانے کے حصے تیار کیے گئے۔ گھڑے گھڑائے پلاٹ اور حد سے زیادہ احتیاط اور شعوری کوشش نے افسانوں کو بے روح اور بے اثر بنا دیا۔" (6)

ممتاز شیریں کی رائے سے جزوی اتفاق تو کیا جاسکتا ہے تاہم اس سے کلی طور پر اتفاق کرنا ممکن نہیں۔ یہ درست ہے کہ اس وقت فسادات کا موضوع تمام موضوعات پر حاوی تھا اور شائد ہی کوئی ایسا صاحب قلم ہو جس نے فسادات کو دیکھا یا بھگتا ہو اور ان کو اپنا موضوعِ تحریر نہ بنایا ہو۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ترقی پسند ادبا مکھی پر مکھی مارتے رہے۔ ڈاکٹر محمد حسن ممتاز شیریں کی رائے سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ ترقی پسندوں کا انسان دوستی کے حوالے سے توازن کوئی میکانکی عمل نہیں بلکہ اس عمل کے پیچھے امید اور حوصلہ مندی کے مثبت انسانی جذبات ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> "یہ توازن اس بات کی دلیل ہے کہ سارے ادیبوں نے اس وحشت اور درندگی کی لڑائی میں انسانیت سے مکمل طور پر مایوس ہونا نہیں سیکھا ہے اور وہ اپنی ذہنی بالیدگی کو بالائے طاق رکھ کر مذہب اور سیاست کے تنگ نظر گروہوں میں سے کسی ایک کے ساتھ مل کر خون کی ہولی کھیلنے پر آمادہ نہیں ہیں۔" (7)

اگر تقسیم کے حالات کا غیر جانبدارانہ جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ فسادات پر لکھی جانے والی کہانیوں میں مثالی حالات کی تلاش دراصل ادیبوں کا وہ رومانی رویہ تھا جو اس ماحول کی شدت کو کم کرنے یا کم از کم قابل برداشت بنانے کی کوشش تھی۔ ان حالات میں نہ تو تفکر کیا جاسکتا تھا اور نہ ہی کسی کیلئے تجزیہ کرنا ممکن تھا لہٰذا کوشش کی گئی کہ تلخی کو تلخ انداز میں پیش کرنے کے ساتھ ساتھ امید کا ایک موہوم سا دیا بھی روشن کر دیا جائے تاکہ حوصلہ قائم رہے۔ کہانیوں میں ترازو ہاتھ میں لے کر ہندوؤں اور مسلمانوں کو مساوی طور پر مارنے یا وحشت و بربریت کے خونیں مناظر کے آخر میں کسی کردار کی انسانیت جاگ اٹھنے کا بیان دراصل اندھیرے میں روشنی تلاش کرنے کی ایک کوشش تھی۔ ان افسانوں کا مقصد بھی یہی تھا کہ حال کا درست ادراک کرتے ہوئے مستقبل کے امکانات کو واضح اور روشن کیا جائے۔ کرشن چندر اور احمد ندیم قاسمی کے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.2 2022

افسانے اس کی عمدہ مثال ہیں۔ اس کے علاوہ اوپندر ناتھ اشک کا 'طوفان سے پہلے'، ممتاز حسین کا 'سورج سنگھ'، حیات اللہ انصاری کا ' شکر گزار آنکھیں، سہیل عظیم آبادی کا 'اندھیارے میں ایک کرن' ، اختر اورینوی کا 'آج اور کل' اور اشفاق احمد کا گڈریا بھی اس طرز احساس کے نمائندہ افسانے ہیں۔

تقسیم کے بعد افسانے میں ہجرت کا رومانی المیہ بھی ایک اہم موضوع کے طور پر سامنے آیا۔ کرب کا یہ پہلو ان افسانہ نگاروں کے ہاں زیادہ نمایاں ہوا جو ہجرت کے عمل سے گزر کے آئے تھے۔ آباؤ اجداد کی سرزمین چھوڑنے کا دکھ اور اس تہذیب سے بچھڑنے کا کرب ایک مسلسل روگ بنتا چلا گیا اور یوں ماضی پرستی یا ناسٹلجیا اردو افسانے کا حصہ بنتے گئے۔

اردو افسانہ نگاروں نے اپنے اپنے انداز میں ہجرت کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ ایک جانب قرۃ العین حیدر اور انتظار حسین جیسے افسانہ نگار ہیں جنہوں نے رومان اور حقیقت کے امتزاج سے اپنی تحریروں میں رنگ بھرا اور بچھڑے وطن کی یادوں سے ان میں چاشنی پیدا کی تو دوسری جانب قدرت اللہ شہاب، اشفاق احمد، میرزا ادیب، غلام الثقلین نقوی اور اے حمید ایسے قلمکار ہیں جنہوں نے اپنے عہد کے آشوب کو رومان کے دھندلکوں میں دیکھنے اور دکھانے کے ساتھ ساتھ محبت، تصوف اور جنس کے متنوع زاویوں سے اپنے افسانوں کو سجایا۔ قرۃ العین حیدر کے افسانوں میں فلسفیانہ اور اساطیری رنگ تو غالب ہے تاہم یادوں اور خوابوں کا ایک رومانوی سلسلہ بھی موجود ہے۔ وہ خود لکھتی ہیں:

> ''ہم جہاں بھی رہیں، ہم دنیا کے کسی بھی حصے میں ہوں، وہ خطہ جس نے ہمیں جنم دیا ہے، ہمیشہ ہمارا ذاتی معاملہ رہے گا۔ میری تمام سرگزشت کھوئے ہوئے کی جستجو اور ہمارا بیشتر ادب نوسٹلجیا کا ادب ہے اور اس کی یہ خصوصیت ۱۹۴۷ء کے بعد بالکل لازمی اور جائز اور حق بجانب ہے۔''(8)

اردو افسانے میں ہجرت کے فکری زاویے انتظار حسین کے افسانوں میں نمایاں ہیں۔ ان کے افسانوں میں ماضی کی گونج اور ذات کی عدم تکمیل واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے۔ ڈاکٹر انوار احمد کا انتظار حسین کے افسانوں سے متعلق یہ کہنا کہ:

> ''ہجرت انتظار حسین کے ہاں تخلیقی وجود کی شکست وریخت کا مسئلہ ہے'' (9)

بالکل درست ہے کیونکہ انتظار حسین نے اپنے افسانوں میں خارجی رشتوں سے زیادہ داخلی اور تہذیبی رشتوں کو اہمیت دی اور داخل کے طرف اپنے سفر کی بنیاد تہذیبوں کے پاتال میں اترنے، اپنے آپ کو ٹٹولنے اور اپنی تھاہ تلاش کرنے پر رکھی۔

> ''یوں لگتا ہے کہ گویا ان کی ذات کا کوئی حصہ کٹ کر ماضی میں رہ گیا ہے اور موجودہ معاشرے کی کوئی تصویر اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک ماضی کے کٹے ہوئے حصے کو تخیل کے راستے واپس لا کر اپنی ذات میں سمویا نہ جائے۔''(10)

وہ خود کہتے ہیں:

> '' میں کہانی کیا لکھتا ہوں، کھوئے ہوؤں کی جستجو کرتا ہوں اور آتشِ رفتہ کا سراغ لیتا پھرتا ہوں لیکن آتشِ رفتہ کے سراغ کا سلسلہ شروع ہو جائے تو بات سن ستاون تک محدود نہیں رہ سکتی، پہنچنے والا کربلا تک بھی پہنچ سکتا ہے اور اس سے پیچھے جنگ بدر تک بھی جا سکتا ہے۔''(11)

بن لکھی رزمیہ، اجودھیا، قیوما کی دکان، آخری موم بتی، محل والے، مایا اور کنکری انتظار حسین کے شہکار رومانوی افسانے ہیں۔

قدرت اللہ شہاب کا افسانہ ''یاخدا'' فسادات کے حوالے سے ایک اہم افسانہ شمار کیا جاتا ہے۔ اس طویل افسانے میں قدرت اللہ شہاب نے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر حقائق کی عکاسی کی ہے اور طنزیہ، زہر خند اور بے باک انداز میں فسادات کے دوران پیش آنے والے انسانی درندگی کے مختلف پہلوؤں پر کھل کر بات کی ہے۔ یاخدا' میں کہانی کا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.2 2022

مجموعی تاثر شدید جذباتی اور رومانی نوعیت کا ہے۔ عورت کی بے بسی، تنہائی اور عدم تحفظ کے احساس کو انہوں نے رومانی استعاروں کے استعمال سے گہرا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک اقتباس دیکھئے:

> ''آدھی آدھی رات وہ مسجد والے کنوئیں کی منڈیر پر لپٹ کر رویا کرتی تھی۔ اس کی آنکھیں کنوئیں میں ٹکٹکی لگائے پک جاتی تھیں کہ شائد اس کے ابا کی تیرتی ہوئی پگڑی کی ایک جھلک کبھی اس کی آنکھوں کو زندہ جاوید کر دے۔۔۔ لیکن کنواں تاریک تھا اور قبر کی طرح خاموش۔۔۔ دلشاد کا وجود ایک ٹوٹے ہوئے تارے کی طرح تھا جس کے ٹکڑے آسمان کے ویرانوں میں اکیلے بھٹک رہے ہوں۔ آسمان کی بساط الٹ چکی تھی، سورج اور چاند چھپ گئے تھے، تاروں کے چراغ بجھ گئے تھے اور وہ اکیلی رہ گئی تھی، بے یار و مددگار۔'' (12)

''اور عائشہ آگئی'' بھی فسادات کے دلخراش حالات کی شکار ایک لڑکی کی کہانی ہے جسے قدرت اللہ شہاب نے جذباتی رومانوی انداز میں بیان کیا ہے تاہم ان کے افسانوی مجموعے ''ماں جی'' میں رومانی انداز اپنے نقطۂ عروج پر ہے۔ اشفاق احمد کے افسانوں میں محبت اور انسانی رشتوں کا تقدس نمایاں ہے۔ ان کے ہاں محبت خالصتاً انسانی سطح پر ہے اور سماجی بنیادوں پر اپنی پہچان کراتی ہے۔ وہ محبت کو مرکز بنا کر زندگی کی رومانی، روحانی اور جذباتی دلچسپیوں سے افسانے کا تار پود تیار کرتے ہیں۔ اکثر و بیشتر انہیں تین زاویوں سے وہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر محبت کا دم بھرتے ہیں۔ بقول طاہر مسعود:

فسادات کے حوالے سے اشفاق احمد کا نمائندہ افسانہ 'گڈریا' ہے۔ اس افسانے میں داؤ جی کا کردار انتہائی رومانی کیفیت کا مظہر ہے۔ وہ بظاہر ہندو ہے مگر اسلامی تاریخی حسیت اُس کے اندر موجود ہے وہ مسلم تہذیب کا غیر معمولی نمائندہ ہے۔ اشفاق احمد کا یہ کردار انسان دوستی کی علامت ہے۔ اس کے علاوہ 'اجلے پھول'، 'امی'، 'بابا'، 'حقیقت نیوش'، اور 'مسکن' ان کی رومانی فکر اور اسلوب کے بہترین نمونے ہیں۔ اس کے اسلوب میں لطافت، نرمی اور شیرینی ہے۔ وہ دھیمے، سادہ اور شاعرانہ انداز کے افسانہ نگار ہیں۔ سید وقار عظیم ان کے افسانوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

میرزا ادیب کی کہانیوں کا موضوعاتی دائرہ بہت وسیع ہے لیکن بنیادی طور پر وہ انسانی جذبوں کی سچائی اور رشتوں کی عظمت کے افسانہ نگار ہیں۔ ان کی کہانیاں وفا، مروت، خلوص، دوستی اور ایثار کے گرد گھومتی ہیں اور سماجی سطح پر ان قدروں کی اہمیت کا احساس دلاتی ہیں۔ 'مائی پھاتاں'، 'دینو'، 'کمبل'، 'ساتواں چراغ'، 'سائرہ'، 'درویش'، 'کاغذ کی ناؤ'، 'اس کی خاطر'، 'ایک منزل کئی راہیں' اور 'اندھیروں کی بارش' میرزا ادیب کے وہ نمایاں افسانے ہیں جن میں معاشرتی، تہذیبی اور اخلاقی رویوں کی عکاسی کے علاوہ معاشی و اقتصادی مسائل کی بات بھی کی گئی اور داخلی و خارجی الجھنوں کا ذکر بھی۔ لیکن اہم حیثیت اس احساس کو حاصل ہے جو سماجی رشتوں اور جذبوں کی بے توقیری کے غم اور بعض صورتوں میں اچانک سامنے آجانے کی خوشی سے عبارت ہے۔

میرزا ادیب کے افسانوں میں روشنی اور سائے، معلوم اور نامعلوم اور دھوپ اور چاندنی کو یکجا کر دینے کا عمل ملتا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد انہوں نے جو افسانے لکھے وہ فسادات کے زیر اثر لکھے گئے جذباتی رومانی افسانوں سے قطعی مختلف اور منفرد ہیں۔ انہوں نے ظاہر کے عام حالات و واقعات، طوفانی جذبوں کے ساتھ پیش کرنے کی بجائے، اس اخلاقی و معاشرتی شکست و ریخت پر نظر رکھی جو تقسیم کے لازمی نتیجے کے طور پر سامنے آئی۔ 'مائی پھاتاں'، 'کمبل'، 'ایک دوکان'، 'وینو' اور 'آزادی' اگرچہ بیانیہ حقیقت نگاری کے افسانے ہیں لیکن ان میں انسان کے ظاہری روپ اور باطنی روپ کے درمیان بعد و قرب کو اقدار کے حوالے سے واضح کیا گیا ہے۔ فرقہ وارانہ ذہنیت نے اخلاق، رواداری اور برداشت کے جس کلچر کا خاتمہ کر دیا، یہ افسانے اس کلچر کا ماتم اور ایک حوالے سے اس کی بازیافت کا انداز لیے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر نوازش علی لکھتے ہیں:

> '' میرزا ادیب کا کمال یہ ہے کہ وہ معمولی موضوعات و واقعات سے بڑے اور علمی نوعیت کے موضوعات و تجربات کی طرف قاری کو غیر شعوری طور پر لے جاتے ہیں۔ تاہم یہ قاری کی اثر پذیری کی صلاحیت اور اس کے شعور پر منحصر ہے کہ وہ کہانی کو کس سطح پر قبول کرتا ہے۔'' (15)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.2 2022

میرزاادیب کا اسلوب حقیقت و رومانیت کے حسین امتزاج سے تشکیل پاتا ہے۔ ابتدائی عہد میں تو یہ سراسر رومانیت کے خمار میں ڈوبا ہوا ہے لیکن جب انہوں نے رومان کا سہارا لے کر بالواسطہ مسائل پر لکھا تو اسلوب میں بھی تبدیلی آگئی۔ وہ لفظوں کی جمالیات سے بہت کام لیتے ہیں اور دیومالائی عناصر اور فضا و ماحول سے بھی۔ ان کے ہاں پر شکوہ اور سادہ اسلوب، ہر دو زاویے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور سکون و توازن کے ساتھ کہانی میں دلکشی، ندرت اور لطافت کا باعث بنتے ہیں۔

غلام الثقلین نقوی کے افسانے دیہات کی تہذیب و معاشرت اور یہاں کی زندگی کے مخصوص پہلوؤں کو پیش کرتے ہیں۔ منظر کشی، ماحول بندی اور احساسات کی مصوری کے حوالے سے یہ افسانے تحیر افروز بھی ہیں اور اثر انگیز بھی۔ نقوی نے محض مناظر کو فوکس کرنا ہی اہم نہیں سمجھا بلکہ ان کے داخل میں پوشیدہ حسن اور کیف کو اجاگر کرنے کی ذمہ داری بھی لی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانوں میں ماحول سانس لیتا دکھائی دیتا ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا، نقوی کے افسانوں سے متعلق رقمطراز ہیں:

> ”ان کے ہاں بنیادی موضوع مٹی کی خوشبو، موسم کا مزاج اور دھرتی پر پڑنے والے بادل کا سایہ ہے۔۔۔ داخلی سطح پر وہ کسان کی آنکھوں میں ابھرنے والی اس خوشبو کو پیش کرتے ہیں جو خوشوں کے پکنے پر نمودار ہوتی ہے اور اس خوف کو اجاگر کرتے ہیں جو کڑکتے بادل کی آواز سن کر اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔“ (16)

غلام الثقلین نقوی نے اپنے افسانوں کا لینڈ سکیپ پنجاب کے دیہات سے ترتیب دیا اور یہاں موجود زندگی کی سادگی، خلوص اور مہر و وفا کی مختلف صورتوں کو قاری کے سامنے پیش کیا۔ نقوی کے افسانوں کا مرکزی دائرہ وہ محبت ہے جو ارضی رشتوں سے جنم لیتی اور فطرت کی رعنائیوں میں جذب ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ ان کی یہ خوبی انہیں ادب میں منفرد مقام عطا کرتی ہے کہ انہوں نے محبت، رومانویت اور جذبہ و احساس کی شدت کو فن پر غالب نہیں ہونے دیا بلکہ ایک توازن اور اعتدال کے ساتھ زندگی کے مادی اور ماورائی حقائق کی تصویر کشی کی۔ ڈاکٹر اے بی اشرف کے مطابق:

> ”ایک بات جو واضح طور پر ان کے افسانوں میں دکھائی دیتی ہے وہ ان کا جذبہ دردمندی ہے۔ وہ ایک حساس اور پُر خلوص فنکار کی طرح واقعات پر نظر دوڑاتے ہیں اور پھر نہ تو آنکھوں پر رومانیت کی عینک چڑھاتے ہیں اور نہ حقائق پرستی کے شوق میں ادبی مسرت کے عنصر کو نظر انداز کرتے ہیں بلکہ واقعات کے اس سلسلے کو جو انہیں نظر آیا یا محسوس ہوا، پورے فنی خلوص کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔“ (17)

اے حمید کے افسانوں میں جمالیاتی قدروں کی ایسی وحدت ملتی ہے جس کا ہر زاویہ رومان پرور ہے۔ حسن کے مختلف پہلوؤں کا امتزاج ہی اے حمید کے افسانوں کا خاصا ہے۔ رومانویت سے پورے طور پر وابستہ ہو کر اے حمید اپنے عہد کے جبر کے خلاف مکمل بغاوت کا احساس دلاتے ہیں اور اپنی کہانیوں میں حالات کی سنگینی کے مقابل ایک رنگ برنگی دنیا بسا کر اس احساس کو مزید گہرا کر دیتے ہیں۔ ڈاکٹر مسعود رضا خاکی کے نزدیک:

> ”اے حمید کو مناظر فطرت اور رومانی تصورات سے اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ لگاؤ ہے۔۔۔ اے حمید اپنے افسانوں کا خمیر فطرت کے حسن، تصورات کی رنگینی اور زندگی کی کشمکش سے تیار کرتے ہیں۔ ماضی کی یادوں کے نقوش، فطرت کی حسن سامانیوں کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر ان کے افسانوں کی تخلیق کا سبب بنتے ہیں۔“ (18)

قیام پاکستان کے بعد عورت، فطرت اور محبت کا افسانے میں ظہور اے حمید کے ہاں منفرد انداز لیے ہوئے ہے۔ ان کے افسانوں میں محبت اور خلوص کا رنگ غالب ہے جو انہیں انفرادیت دلاتا ہے۔ موسم اُن کے استعارے ہیں۔ رنگ اُن کی پہچان ہیں اور ماضی کی تلاش اُن کا اہم موضوع ہے جو احساس کی شدت سے شدید تر ہوتی چلی جاتی ہے۔

حوالہ جات

- سابق پرنسپل، سٹینڈرڈ کالج، لاہور۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.2 2022

- **اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، ایف سی کالج یونیورسٹی، لاہور۔**
- **ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور۔**

(1) سید عبداللہ، ڈاکٹر، رومانیت، ''ادب لطیف'' جوبلی نمبر ۱۹۶۳ء، لاہور: ص ۲۰
(2) انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی تحریکیں، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۹۱، اشاعت دوم، ص ۱۰۴
(3) محمد حسن، ڈاکٹر، اردو ادب میں رومانی تحریک، لاہور: بشیر اینڈ سنز، س ن، ص ۱۶
(4) محمد حسن، ڈاکٹر، اردو ادب میں رومانوی تحریک، لکھنؤ: تنویر پریس، ۱۹۵۵، ص ۲۲
(5) عائشہ سلطانہ، ڈاکٹر، مختصر اردو افسانے کا سماجیاتی مطالعہ، دہلی: ساقی بکڈپو دلی، ۱۹۹۵ء، ص ۶۹
(6) ممتاز شیریں، فسادات پر ہمارا ادب، معیار، لاہور: نیا ادارہ، ۱۹۶۳ء، ص ۳۰۶
(7) محمد حسن، ڈاکٹر، اردو افسانہ ۱۹۴۸ء کے بعد، شعور، کراچی: شمارہ ۵، ص ۱۱۲
(8) قرۃ العین حیدر، کیا موجودہ ادب روبہ زوال ہے؟ (، مطبوعہ)، لاہور: 'نقوش، ۱۹۵۸ء (حوالہ نامکمل ہے)
(9) انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ تحقیق و تنقید، ملتان: بیکن بکس، ۱۹۸۸ء، ص ۲۲
(10) گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، انتظار حسین کا فن، (مشمولہ)، ''اردو افسانہ، روایت اور مسائل''، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۱ء، ص ۵۳۸
(11) انتظار حسین، علامتوں کا زوال، لاہور: سنگ میل، ۱۹۸۳ء، ص ۱۵
(12) قدرت اللہ شہاب، یا خدا، (مشمولہ)، اردو کے منفرد افسانے، لاہور، علم پبلشرز، ۱۹۹۱ء، ص ۸۹
(13) طاہر مسعود، یہ صورت گر کچھ خوابوں کے، کراچی: مکتبہ تخلیق ادب، ۱۹۸۵ء، ص ۳۔ ۲۰۲
(14) وقار عظیم، پروفیسر، داستان سے افسانہ تک، اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۹۰ء، ص ۲۷۷۔ ۲۷۶
(15) نوازش علی، ڈاکٹر، میرزا ادیب کی افسانہ نگاری، مشمولہ، میرزا ادیب۔ شخصیت اور فن، ص ۳۷۳
(16) وزیر آغا، ڈاکٹر، غلام الثقلین نقوی کے افسانے، دائرے اور لکیریں، لاہور: فکر و خیال، ص ۵۰
(17) اے بی اشرف، ڈاکٹر، غلام الثقلین کی افسانہ نگاری، مطبوعہ، اوراق، ۱۹۶۷ء، ص ۱۷۶
(18) خاکی، مسعود رضا، اردو افسانے کا ارتقاء، لاہور: فکر و خیال، ۲۰۰۰ء، ص ۱۳۸